© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

بعض سادہ لوح افراد جو اشتراکیت کو غلط فہمی کی بنا پر معاشی عدل کا ایک مؤثر پروگرام سمجھ بیٹھے ہیں ہم سے بار بار پوچھتے ہیں کہ ہم "انسانی فوز و فلاح کی اس تحریک" کی آخر کیوں تائید اور حمایت نہیں کرتے۔ ان سب حضرات کے استفسار کے جواب میں ہم نہایت واضح طور پر یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک انسانی فلاح و بہبود کا کوئی پروگرام جس کی بنیاد تعلیم ربانی پر نہ ہو، سراسر ضلالت اور گمراہی ہے اور اس سے نہ صرف ہم خود خدا کی پناہ مانگتے ہیں بلکہ پوری انسانیت کو بچانے کے آرزو مند ہیں۔ جو نظریہ یا طرزِ عمل انسان کے لیے آخرت میں گھاٹے کا سودا ہے اس کے اپنانے سے اس دنیا میں کبھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض سادہ لوح دوزخ کی کلفتوں کو جنت کی آسائش خیال کرنے لگیں۔

ہم صرف اشتراکیت کے مخالف نہیں بلکہ دنیا کی ہر اُس شے، دنیا کے ہر اُس تصوّر اور دنیا کے ہر اُس طرزِ فکر اور عمل کے مخالف ہیں جو اسلام سے متصادم ہو۔ ہم انسانیت کی اُخروی فلاح اور دنیوی کامرانی کا واحد سرچشمہ اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں اور اس بات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ جو نظامِ حیات اسلام کی ضد ہے وہ کبھی بھی خیر و برکت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ہر قسم کے خارجی دباؤ اور رائے عام کے بہاؤ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ہمیشہ ہر اُس قول اور فعل کی مخالفت میں آواز بلند کی جسے ہم نے اسلام کا نقیض سمجھا۔ ہم سے اگر جائز طور پر پوچھا جا سکتا ہے تو صرف یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ہمارے پاس کسی فلسفۂ زندگی یا نظامِ حیات کو خلافِ اسلام کہنے کے کیا دلائل ہیں۔ ہم نے پہلے بھی جب کسی پالیسی یا نظریہ کی مخالفت کی تو دلائل اور معقولیت کے ساتھ کی اور جذبات کے اندر ہیجان پیدا کر کے اپنی بات منوانے سے ہمیشہ گریز کیا۔ اور یہی ہمارا طرزِ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشتراکیت کے بارے میں ہے۔ ہم اس نظامِ حیات کے اس وجہ سے حامی اور مؤید نہیں ہو سکتے کہ یہ نظام جس بنیادی تصور پر قائم ہے، جو فلسفۂ اخلاق یہ پیش کرتا ہے، جس طریقِ زندگی کو یہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اسے قائم کرنے کے لیے جو طریقِ کار یہ تجویز کرتا ہے وہ اسلام کے اساسی تصورات، اس کے نظامِ اخلاق، اس کے طریقِ زندگی اور اس کے طریقِ اصلاح سے ہر قدم پر متصادم ہے۔ اسی بنا پر ہم اسے کسی قیمت پر قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتے۔ ان صفحات میں ہم مختصر طور پر ان بنیادی نکات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں اسلام اور اشتراکیت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

اسلام اور اشتراکیت کے درمیان سب سے پہلا اختلاف عقائد کا اختلاف ہے۔ بعض حلقے میں افراد عقیدے کے اختلاف کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ مگر یہ کم عقلی ہے۔ عقیدہ وہ بیج ہے جس سے کسی نظامِ حیات کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ جس نوعیت کا یہ بیج ہوگا اسی نوعیت کا نظامِ حیات پروان چڑھے گا۔ اس نظام کے فلسفۂ زندگی، اس کے نظریۂ اخلاق، اس کے تمدن، اس کی معاشرت اور معیشت الغرض اس کے سارے گوشوں میں عقیدے کے اثرات پوری طرح نمایاں ہوں گے۔

عقائد میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ کوئی نظامِ حیات تخلیقِ کائنات کی علت کسے قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس علت ہی سے کسی نظام کا مزاج، اس کے عناصرِ ترکیبی، اس کے خوب و ناخوب کے پیمانے اور اس کی غایت متعین ہوتی ہے۔

اسلام کے نزدیک اس کائنات کی علت ایک حیّ و قیّوم اور قادرِ مطلق ذات کا ارادہ ہے۔ وہ انسان کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرتا ہے اور اس دعوے کی صداقت پر وہ پوری کائنات کو گواہ بناتا ہے کہ قدرت کا یہ وسیع عریض کارخانہ کسی اندھی بہری قوت کا کھیل نہیں بلکہ ایک حکیم و علیم ذات کی قدرت کا کرشمہ ہے جسے اس نے بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ نہایت ارفع و اعلیٰ مقاصد کی خاطر تخلیق کیا ہے اور اب وہی ہر آن اس کی تدبیر و نگرانی کر رہا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید اوّلین بنیادی عقیدے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (الدخان - ۳۸-۳۹)

"اور آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے یہ سب کچھ ہم نے کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ ہم نے ان کو برحق پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

وَاللّٰهُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِهٖ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ (الرعد - ۴۱)

"اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اور وہ بہت جلدی حساب لینے والا ہے"

ان دونوں آیات سے کائنات کی اُس علتِ غائی کا صاف پتہ چلتا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔

جب یہ بات طے ہو گئی کہ اس کائنات کا کوئی خالق و مالک اور نگران ہے اور اس نے اسے ایک خاص حکمت و مقصد کے ساتھ پیدا کیا ہے تو اس سے یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ انسان جو اس کائنات میں خالق کی تخلیق کا شاہکار ہے اُسے اس دنیا میں ارفع مقاصد کی خاطر جینا ہے اور پھر خدا کے حضور میں اپنی کارکردگی کا حساب پیش کرنا ہے۔ وہ عناصر اربعہ کا کھیل نہیں۔ وہ مادی قوتوں کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونا بھی نہیں بلکہ وہ ایک ذمہ دار ہستی ہے جسے خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو سر انجام دینا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ - (الملک ۲-۳)

"وہ جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ اس بات کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ اور وہ زبردست اور غفور ہے۔ جس نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔ کیا رحمٰن کی تخلیق میں تم کوئی بے تکا پن دیکھتے ہو؟ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟"

قادرِ مطلق نے موت و حیات کا جو نظام قائم کر رکھا ہے اس کی نوعیت یہ نہیں کہ سطحِ آب سے ہوا کے معمولی ارتعاش کے ساتھ چند بلبلے نمودار ہوئے اور پھر اسی ہوا کے خفیف جھونکے کے ساتھ نیست و نابود ہو گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس خالق نے بڑی حکمت اور دانائی کے ساتھ کائنات کا یہ متوازن اور پوری طرح ہم آہنگ اور ارفع نظام تخلیق کیا ہے اسی نے موت وحیات کی بھی تخلیق کی ہے تاکہ وہ یہ دیکھے کہ انسان اپنی زندگی کے اُس دائرے میں جس میں اسے عمل کی آزادی دی گئی ہے، کہاں تک احکامِ الٰہی کی پیروی کرکے اپنے آپ کو مالک کا فرمانبردار بندہ ثابت کرتا ہے۔ بالغ نظر مفسرین نے موت وحیات کے درمیان حرفِ عطف کے استعمال سے یہ استدلال کیا ہے کہ موت وحیات ایک دوسرے کے طبعی نتائج نہیں بلکہ دونوں الگ الگ نظام ہیں جنہیں قادرِ مطلق اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت چلا رہا ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا کہ انسان کا وجود عناصر میں ظہورِ ترکیب کا فطری نتیجہ اور اس کی موت ان عناصر کا ناگزیر بگاڑ ہے، بالکل غلط ہے۔

قرآن مجید انسان کو اس دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ سمجھتا ہے اور اُس سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ جس بلند و بالا ذات کا خلیفہ ہے اس کے منشا کو اس دنیا میں پورا کرے۔ چنانچہ اس نے انسان کی خلافت کے ساتھ اس امر کا بھی اعلان کیا ہے کہ جو کچھ اس زمین میں موجود ہے وہ اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے مسخر کرکے (سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ) اس سے استفادہ آسان بنا دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہیں کہ یہ زمین اور اس کے مادی وسائل انسان کے تابع ہیں اور انسان ان کے تابع نہیں۔ لہٰذا وہ سارے نظریات جن میں انسان کے بارے میں یہ مفروضے قائم کیے گئے ہیں کہ فرد اور معاشرہ کے افکار و اعمال کی صورت گری ہر دور کے مادی اور معاشی حالات کرتے ہیں قرآن مجید کی رُو سے غلط ہیں۔ ان کے برعکس قرآنِ حکیم ہمیں اس حقیقت سے آشنا کرتا ہے کہ انسان اس دنیا میں مادی ماحول کا غلام بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ اس کا حاکم بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ وہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس میں تصرّف کرکے ان اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کرے جو خالقِ کائنات نے اس کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت ملتی ہے کہ یہ دنیا اگرچہ انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے مگر انسان خود خدا اور آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہی انسانیت کا مرجع و منتہا ہے۔ وَاِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۔ وَاِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۔ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاِلَيْهِ مَاٰبِ کے الفاظ قرآن مجید میں بار بار آتے ہیں جو انسانی زندگی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقی مقصد کی صاف الفاظ میں نشاندہی کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک تمثیل سے اس طرح واضح فرمایا ہے: الدُّنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ یعنی اس میں انسان کی محنت و مشقت اور اوزار و آلات سے استفادے کی غرض بجز اس کے اور کوئی نہ ہونی چاہیے کہ اس سے آخرت میں فلاح وکامرانی کی فصل کاٹی جاسکے۔

قرآن مجید کے اس تصور سے انسان کے بارے میں چند اور حقائق بھی سامنے آتے ہیں:

۱۔ انسانی فکر وعمل کا محرک مادی نہیں بلکہ سراسر روحانی اور اخلاقی ہے۔ کیونکہ اگر یہ محرک مادی ہو تو پھر انسان کے لیے فطری طور پر یہ ناممکن ہے کہ وہ اس کی بنا پر کسی دوسرے غیر مادی مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کر سکے۔

۲۔ دوسرے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انسان اس کائنات میں خالق کے منشا کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اخلاقی و روحانی مقاصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنے پر مامور ہے تو پھر اس سے یہ بات خود بخود طے ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے فکر و عمل میں کسی حد تک آزاد ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ انسان مادی قوتوں کے دباؤ کی وجہ سے ایک مخصوص طرز فکر اور طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور رہے تو پھر اس کے افکار و اعمال کی روحانی اور اخلاقی قدر و قیمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اگر انسان نیکی اور بدی اختیار کرنے کے لیے آزاد اور خود مختار نہ ہو تو اس کی ذات اخلاقی صفت کے شیریں عنصر سے محروم ہو جاتی ہے۔

اس تصور سے پھر یہ بات بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ انسانی فکر و عمل میں آزادی ہی نے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کیا ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں کوئی فرد یا معاشرہ جو کچھ کر رہا ہے وہ خارجی حالات کا ناگزیر نتیجہ ہے تو اس میکانکی طرزِ عمل پر نیک و بد یا محمود و مذموم کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر بات یہاں تک ہی محدود نہیں رہتی، بلکہ خیر و شر کے درمیان ساری تفریق ختم ہو جاتی ہے جب یہ فرض کر لیا جائے کہ سارے انسانی افکار و اعمال مادی ماحول کا عکس ہیں تو اس اعتبار سے کسی نظریہ یا عمل کا مؤثر وجود ہی اس کے صحیح اور برحق ہونے کی سب سے قوی دلیل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز غالب ہے وہی برحق ہے اور جو چیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغلوب ہے وہ باطل ہے۔ اس نظریہ کے مطابق دنیا میں کسی طرز فکر یا طرز عمل کی بنیاد اس کا اخلاقی اور روحانی پہلو نہیں بلکہ عالمِ واقعات میں اس کی قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے حاملین نے اپنی بات کو برحق منوانے کے لیے ہمیشہ اندھی بہری قوت سے کام لیا ہے اور اس امر کی کوشش کی کہ ہر جائز اور ناجائز طریق سے ان کے دلپسند افکار و نظریات کو دنیا میں بالجبر مسلّط کیا جا سکے۔ کیونکہ ان کے نزدیک کسی تصوّر یا عمل کی غالب حیثیت ہی اس کی صحت کی سب سے بڑی شہادت فراہم کرتی ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں نے ذرائع کے صحیح اور غلط ہونے کو ہمیشہ نظرانداز کر کے اس امر کی کوشش کی کہ جس ذریعہ سے بھی ممکن ہو ان کی بات غالب ہو جائے۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے ہر قسم کے جھوٹ، مکر و فریب اور تشدد سے کھلے بندوں کام لیا گیا اور اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی معمولی خلش بھی محسوس نہ کی گئی۔ ان حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ مقاصد ہی ذرائع اور وسائل کا جواز پیدا کرتے ہیں (ENDS JUSTIFY THE MEANS)۔ اگر مقاصد جھوٹ اور فریب سے حاصل ہوتے ہوں تو پھر عیاری ہی پسندیدہ اور قابلِ تعریف طرزِ عمل ہے۔ اور اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے جبر مؤثر ہتھیار ثابت ہوتا ہو تو پھر تشدد کا بے دریغ استعمال ہی صحیح اور انسب ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس طرزِ فکر کے علمبردار ہیں ان کے ہاں مقاصد کو ہمیشہ سازشوں، جوڑ توڑ، اور تشدد کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے اور کبھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے اخلاقی ضابطوں کی پابندی نہیں کی گئی۔

اس فلسفۂ حیات کا ایک اور المناک پہلو یہ ہے کہ خارجی ماحول کو غیر معمولی اہمیت دینے کی وجہ سے یہ غلط خیال ذہن میں بٹھا دیا گیا ہے کہ کسی صحت مند تبدیلی کے جذبات انسان کے اندر سے پیدا نہیں کیے جا سکتے انسان خارجی قوتوں کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی ہے۔ اس لیے اس کی زندگی میں اگر کوئی انقلاب آ سکتا ہے تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے خارجی حالات کو بدل دیا جائے۔ چنانچہ دورِ جدید میں اصلاحِ حال کے سارے پروگراموں میں پورا زور خارجی حالات کے بدلنے پر صرف کیا جاتا ہے اور اندر کے انسان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ قرآن مجید اس خیال کو باطل قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسانی معاشرت، معیشت، سیاست اور اخلاق کا کوئی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اندر کے انسان کی اصلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کی جائے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس: ۹-۱۰)

کامیاب ہو گیا وہ جس نے نفس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اسے دبا دیا۔

یعنی جس نے نفس انسانی کو غلط رجحانات اور میلانات سے پاک صاف کر کے نیکی اور خدا پرستی کے جذبات سے معمور کیا وہ فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوا، اور جس نے نفس کے اندر بھلائی کو نشوونما دینے کے بجائے اُلٹا اسے دبا دیا وہ فلاح سے محروم ہو گیا۔ کلام الٰہی میں تزکیۂ نفس کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے اوّلین مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ-۱۵۱)

جس طرح ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے

- اصلاحِ نفس انبیاء علیہ السلام کے فرائض میں داخل ہے اور اُن پر اس بات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انسان کے خارجی حالات میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنے سے پہلے انسانی نفوس کو اندر کی آلائشوں سے پاک کریں، انہیں غلط رجحانات سے ہٹا کر نیکی اور خدا ترسی کی راہ پر ڈالیں اور انسان کے انفرادی اور اجتماعی اخلاق و کردار کو خدا پرستی کی بنیاد پر استوار کریں۔ کیونکہ جب تک دل کی دنیا میں کوئی خوشگوار انقلاب نہیں آتا اس وقت تک خارجی ماحول میں کوئی صحت مند تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ خارج کی تبدیلی کے لیے کوئی اسکیم چاہے کتنی ہی شاندار بنا لی جائے، اگر اندر کا انسان بگڑا ہوا ہو تو وہ بہتر سے بہتر اسکیم کو بھی غارت کر کے رکھ دیتا ہے۔

نقطۂ نظر کے اس اختلاف کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے طریقِ انقلاب اور مادہ پرستوں کی انقلابی سرگرمیوں کے درمیان نہایت واضح فرق دکھائی دیتا ہے۔ خدا کے رسول اور ان کے متبعین کی پہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ اصلاحِ باطن کی طرف مبذول ہوتی ہے اور وہ تلقین اور ترغیب کے ذریعے اور خود اپنی پاکیزہ زندگی کا عملی نمونہ پیش کر کے انسانوں کے قلب و دماغ میں نیکی اور پرہیزگاری، خداخوفی اور شرافت کے نیک احساسات و جذبات پیدا کرتے ہیں اور پھر ان جذبات کی بنیاد پر خارجی ماحول کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریقِ انقلاب کے علمبرداروں کی زیادہ تر کوشش تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ نفوس پر صرف ہوتی ہے اور اس امر کا پوری طرح اہتمام کیا جاتا ہے کہ جس پاکیزگی اور خداترسی کو انسان نے داخلی طور پر قبول کیا ہے اسے خارجی زندگی میں تسلیم کر لیا جائے تاکہ انسان کی داخلی اور خارجی زندگی دونوں اطاعتِ خداوندی کا نمونہ پیش کریں اور اس بنا پر ان دونوں کے درمیان مکمل مطابقت اور ہم آہنگی پیدا ہو۔

ان گذارشات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقِ انقلاب میں قوت کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کے رسولوں نے ضرورت کی حد تک اور احوال کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے قوت سے بھی کام لیا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے کہ قوت وہ آخری ہتھیار ہے جس سے ان حضرات نے اُس حالت میں کام لیا ہے جبکہ اصلاحِ نفوس کی کوششوں کے باوجود عملاً اصلاح میں کوئی کسر رہ گئی ہے۔ انہوں نے اپنی بیشتر قوتیں اور صلاحیتیں لوگوں کے قلب و دماغ میں خداوند تعالیٰ کی عظمت کا نقش بٹھانے اور ان کے اندر احساسِ جوابدہی پیدا کرنے میں صرف کیں۔ حق کو واضح کرنے، اسے ذہن نشین کرانے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے اور پھر انسان کو خود اپنی رضا سے حق کی طرف مائل کرنے کے لیے جس قدر بھی کوششیں کی جا سکتی تھیں، انھوں نے ان میں کسی قسم کی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور اس راہ کے سارے مصائب کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا اور ساری مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنے مقدس مشن کو جاری رکھا۔ لیکن جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ظالم اور بدقماش لوگ قوت کے بل بوتے پر انسان کی خدائی مسلط کرنے پر اور ان کی خواہش اور آرزو کے باوجود وہ انہیں جھوٹے خداؤں کی گرفت سے آزاد نہ ہونے دے رہے ہوں تو اس وقت شیاطین کے چنگل سے ان مظلوموں کو نکالنے کے لیے قوت کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یوں عام حالات میں دینی اور اخلاقی نظام قولی اور عملی تبلیغ کے ذریعے ہی انسانوں کے اندر نفوذ و سرایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا اور پروان چڑھتا ہے۔

کسی مادی اور اخلاقی نظام میں یہ فرق درحقیقت اُس بنیادی نقطۂ نظر کا مظہر ہے جو کوئی نظام انسان اور انسان کے درمیان تعلقات کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ اسلام پوری نوعِ بشری کو ایک وسیع برادری سمجھتا ہے کیونکہ سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد اور ایک ہی خالق کے عیال ہیں۔ اس بنا پر ان کے درمیان فطری طور پر محبت اور یگانگت ہونی چاہیے اور اگر وہ اس کے برعکس نفرت اور حسد کے جذبات پالتے ہیں تو وہ درحقیقت اپنی فطرت سے انحراف کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ہمدردی، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا، ایک دوسرے سے تعاون اور ایک دوسرے کی بے لوث خدمت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ یہ وہ مثبت اور تعمیری صفات ہیں جو انسانوں کے اجتماعی تعلقات کو وجود میں لانے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ اسی لیے انسان ہمیشہ سے ان صفات کو بہترین انسانی صفات سمجھتا رہا ہے ــــ اور قرآن و حدیث میں بار بار خدا کے بندوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس دنیا میں انسانوں بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی بھلائی کا سلوک کرو، ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو، آپس میں خیر خواہی کا رویّہ اختیار کرو، انسانوں کے درمیان حق و صداقت اور عدل و انصاف کے علمبردار بن کر رہو اور کسی دشمن کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ ظلم و ناانصافی کرنے لگو۔ دنیا میں جب کبھی بھی دینی اور روحانی نظام قائم ہوئے تو معاشرے میں انسانی ہمدردی اور محبت کے چشمے اُبل پڑے اور ہر انسان نے دوسرے انسان کا دمساز اور رفیق بن کر زندگی بسر کرنے کی کوشش کی۔

اس کے برعکس مادی نظام اجتماعی تعلقات کی نہایت بھیانک توجیہ پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی فطرت کا ہیولیٰ خودغرضی، باہمی عناد اور کشمکش اور دشمنی سے تیار کیا گیا ہے۔ انسان کے وہ اعمال جو بظاہر اس کے جذبۂ ایثار اور ہمدردی کی ترجمانی کرتے ہیں ان کی تہ میں بھی صرف خودغرضی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ انسان مادی خواہشات اور لذتوں کا غلام ہے اور ان کے حصول کی خاطر ہی وہ سرگرمِ عمل ہوتا ہے۔ ان مادی تمناؤں کے سوا وہ کوئی دوسری تمنائیں نہیں رکھتا اور ان حیوانی مقاصد کی تکمیل کے سوا اس کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی دوسرے مقاصد نہیں ہوتے۔ وہ دنیوی فائدوں ہی کے لیے جیتا ہے اور انہی کی آرزو میں مرتا ہے۔ اس فلسفہ کی رُو سے انسان اگر حیاتِ اجتماعی کا خواہشمند ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ابنائے نوع کے ساتھ مل کر آرام اور سکون کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، یا پاکیزہ اجتماعی زندگی میں روح کا سکون تلاش کرتا ہے، یا اجتماعی ماحول سے اُسے اخلاقی احساسات کو جِلا دینے کے مواقع میسر آتے ہیں اور اس طرح اس کا جوہرِ انسانیت نکھرتا ہے بلکہ اس کی وجہ محض جذبۂ خودغرضی ہے۔ انسان کی مادّی خواہشات کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ دوسرے انسان اس کی حرص کی بھینٹ چڑھیں، لیکن اگر وہ معاشرے میں ایک دوسرے کے ساتھ انصاف یا دیانت یا ہمدردی کرتا بھی ہے تو اس بنا پر کرتا ہے کہ ایسا نہ کرنے سے بالعموم اس کی اپنی اغراض کو نقصان پہنچتا ہے۔ یعنی بالفاظِ دیگر جب کسی نقصان کا خطرہ یا اندیشہ نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ آدمی دوسرے کے ساتھ انصاف یا دیانت یا ہمدردی کرے۔

جس نظام میں خودغرضی کو اجتماعی زندگی کی اساس قرار دیا جائے اور جس میں انسان کو یہ باور کرایا جائے کہ حسّی خواہشات کے سوا اس کے دل میں کوئی دوسری خواہش موجزن نہیں ہو سکتی، اُس میں انسانوں کے درمیان کشمکش، مزاحمت، عداوت اور نفرت کا پیدا ہو جانا بالکل ناگزیر ہے۔ چنانچہ انسانیت کے اس تاریک تصور کے بطن سے اجتماعی زندگی کے متعلق جتنے نظریات نے بھی جنم لیا ہے ان کی رُو سے انسان اور انسان کے درمیان اور انسانوں کے مختلف طبقات یا قوموں کے درمیان عداوت اور دشمنی حیاتِ اجتماعی کے لوازم ہیں۔ بلکہ ان نظریات کی روشنی میں پُوری انسانی تاریخ ایک ایسے خوفناک کارزار کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں ہر انسان اور ہر طبقہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے اور نسلِ انسانی کا ہر فرد اور گروہ نہایت گھٹیا مقاصد کی خاطر ایک دوسرے کو مٹانے کے درپے ہے اور اس باہمی آویزش اور دشمنی ہی سے نسلِ انسانی ترقی کی راہ پر آگے بڑھ رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یُوں کہہ سکتے ہیں کہ انسانوں کے درمیان باہمی ایثار اور ہمدردی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون انسانی فلاح و بہبود کی راہ نہیں ہے بلکہ حسد اور رقابت اور ایک دوسرے کے ساتھ سنگ دلانہ برتاؤ اور سر پُھٹول ارتقاء اور ترقی کی راہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں اور گروہوں کے مابین لڑائی، جھگڑے ہوتے رہے ہیں اور خودغرض افراد نے بعض اوقات کمزور اور بے بس انسانوں کو حرص و آز کا نشانہ بھی بنایا ہے۔ مگر انسانیت کے بارے میں یہ تصور بالکل غلط اور گمراہ کُن ہے کہ یہی انسانی فطرت کا تقاضا ہے، کیونکہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب ان صفات کو پسندیدہ انسانی صفات شمار کیا گیا ہو۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان نے انسان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کرنے کے بجائے ہمیشہ خودغرضی کا طرزِ عمل ہی اختیار کیا ہے اور دنیوی مفادات کے لالچ میں انسان ہمیشہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد ہی کرتے رہے ہیں۔ باری تعالیٰ نے انسان کو اچھے جذبات اور نیک احساسات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس بنا پر عداوت و نفرت اس کی فطرت کے طبعی خواص نہیں بلکہ ذہنی عوارض ہیں۔ صحیح تعلیم و تربیت سے اور انسانیت کے اچھے نمونے سامنے لانے اور پاکیزہ ماحول کے میسّر آنے سے ان عوارض کو دُور کیا جاسکتا ہے اور اس طرح انسانی طبیعت کو اس کی فطری نیکی اور شرافت کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے۔ بلکہ بارہا چھوٹے یا بڑے پیمانے پر لوٹایا گیا ہے، اور انسانوں نے صدیوں ان لوگوں کو عزت کے ساتھ یاد کیا ہے جنہوں نے نوعِ انسانی کو بھلائی کی یہ راہ دکھائی ہے۔ مگر انسانیت کے بارے میں مادہ پرستوں کے گمراہ کُن تصورات نے ذہنی عوارض اور اخلاقی بیماریوں کو انسان کی اصل فطرت قرار دے دیا اور خداترسی اور انسانی محبت کے فطری رجحانات کی یکسر تکذیب کر ڈالی۔ انسان کے ساتھ اس سے بڑی دشمنی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے متعلق یہ رائے قائم کرلی جائے کہ جنگ و جدال، دشمنی اور منافرت اس کے زندگی کے بنیادی عناصر ہیں اور نیکی اور بھلائی محض اعتباری اور اَن ہونی باتیں ہیں۔

انسان کی فطری خودغرضی کے اس نظریہ نے کائنات کے بارے میں انسان کے تعلق کو بھی متاثر کیا ہے۔ آپ کسی موضوع پر اس نظریے کے حاملین کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو یہی تاثر ملے گا کہ فطرت کوئی ایسی اندھی بہری قوت ہے جو انسان پر تسلط قائم کرنے کے لیے بیتاب رہتی ہے اور اسے نقصان پہنچانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ اس کے مقابلے میں انسان بھی ہر لمحہ اس بپھری ہوئی قوت پر غلبہ پانے

(باقی صفحہ ۶۲ پر)

© rasailojaraid.com